# استفسارات

**۱۔ استفسار:**

نسیم امروہوی صاحب نے فرہنگِ اقبال اردو میں ’حقیقتِ منتظر‘ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اس سے اقبال کی مراد امام مہدی کی ذات ہے۔ ان کے دعوے کے مطابق انھوں نے یہ بات خود اقبال سے سنی تھی۔ مجھے یہ مطلب صحیح نہیں لگتا لیکن میرے پاس وہ دلائل نہیں ہیں جن سے اس کا غلط ہونا ثابت ہوجائے۔ مہربانی فرما کر میری یہ مشکل حل کریں۔

طارق اقبال۔ لاہور

**جواب:**

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

اس شعر میں حقیقتِ منتظر سے امام مہدی یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف اشارہ نکالنا یکسر غلط ہوگا، اس بات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حقیقت کا لفظ اس شعر میں ایک الوہی پس منظر رکھتا ہے، اور اللہ کے سوائے اس سے کچھ اور مراد لیا نہیں جا سکتا۔

۲۔ اگر حقیقتِ منتظر امام مہدی ہوں تو اس سے ان کا مسجود اور معبود ہونا لازم آئے گا۔ ظاہر ہے یہ نتیجہ کسی کے لیے بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ ویسے اس سے ملتا جلتا استفسار پہلے بھی ہو چکا ہے شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔

**۲۔ استفسار:**

’مسجدِ قرطبہ‘ میں ایک جگہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کافرِ ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوۃ و درود لب پہ صلوۃ و درود

**جواب:**

یہ سوال اس لحاظ سے اچھا ہے کہ اس کے ذریعے سے شعر فہمی کے بعض ضروری قاعدے سامنے آجائیں گے۔ کچھ باتیں نمبروار عرض کی جارہی ہیں، ان پر غور فرمالیں، تو یہ مسئلہ بلکہ اس طرح کے دیگر مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔

۱۔ 'کافر' اردو اور فارسی کی شعری روایت میں ایک معروف اصطلاح ہے۔ جب کوئی لفظ اصطلاح بن جاتا ہے تو اس کا پہلا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنے لغوی حدود کا پابند نہیں رہا اور اس کے معنی کی تحقیق میں اس کے رائج الاعام مفہوم کو بنیادی حوالے کی حیثیت حاصل نہیں رہے گی۔ شاعری کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ وہ لفظ کو اس کی عمومی سطح سے اٹھا کر ایسے معنی کے اظہار کا ذریعہ بنا دیتی ہے جن کے لیے وہ لفظ وضع نہیں ہوا تھا۔ حقیقی شاعر لفظ میں سے نئے معنوی امکانات برآمد کرتا ہے بلکہ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ لفظ کو ایک بالکل تازہ معنوی دروبست بھی دیتا ہے۔ یہ عمل شاعری میں رواج پکڑ جائے یعنی کسی لفظ کی نئی معنوی تشکیل شاعروں میں عام ہو جائے تو وہ لفظ اصطلاح بن جاتا ہے، جس کی تفہیم کا ہر عمل اسی دائرے میں مستند سمجھا جائے گا جو اس روایت کا بنایا ہوا ہے۔ کوئی شعری اصطلاح اگر کسی دوسرے علم میں بھی مستعمل ہو تو اس کے مرکز تک رسائی پیدا کرنے کے لیے اس علم سے مدد تو لی جاسکتی ہے مگر سند نہیں۔ کافر ہی کی اصطلاح کو لے لیجیے، شریعت میں اس کا ایک متعین مفہوم ہے، جس کی اصل انکار اور اِخفا ہے، یعنی حق کا انکار اور حق کا اِخفا۔ شاعری میں اصل کو محفوظ رکھتے ہوئے اس لفظ کی دلالت حق سے پھیر کر ماسویٰ الحق کی طرف کر دی گئی ہے یعنی غیرِ حق کا انکار اور غیرِ حق کا اِخفا۔ شاعری میں کافر کا صیغہ عام طور پر اس صاحبِ حال عاشق و عارف کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے محبوب اور مقصود کی طرف اتنی شدت سے یکسو ہے کہ ہر چیز حتیٰ کہ اپنی ذات کا بھی ایسا انکار کر دیتا ہے کہ مقصود کے علاوہ سب کچھ گویا محو، معدوم یا کم از کم اوجھل ہو جاتا ہے۔ یہ ہماری عارفانہ اور عشقیہ شاعری کا وہ کردار ہے جو خود کو چھپا کر اپنے مقصود کو ظاہر کرتا ہے اور مطلوب کا اثبات کرنے کے لیے اپنا بھی انکار کر دیتا ہے۔

۲۔ اقبال کا خود کو کافرِ ہندی کہنا اس اعتبار سے بھی پُرلطف ہے کہ ان کے آباؤ اجداد برہمن تھے اور برہمن عرفانی بلندی اور عاشقانہ یکسوئی کا نمونہ ہوا کرتے تھے۔ اقبال نے اس شعر میں دونوں باتوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

۳۔ کافر اور خاص طور پر کافرِ ہندی بندۂ محسوس ہے، اس کے لیے الوہیت مجسم ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے احساسات، جذبات اور خیالات میں ایک ایسا جوہر اور ایسی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ صورت کے ساتھ وابستگی کے بعض ایسے تقاضے بھی پورے کر سکتا ہے جو بلندترین ایمانی اصطلاح کا موضوع ہیں۔ اس کا

تخیل اور طرزِ احساس صورت اور حقیقت کے درمیان موجود فاصلہ ختم کر دیتا ہے اور ان کی دوئی کو اعتبار کی سطح پر باقی نہیں رہنے دیتا۔ خیال اپنی تمام تر قوت کے ساتھ حقیقت اور صورت کے جس پیراڈوکس سے سمجھوتے کو اپنے منتہی کے طور پر قبول کر لیتا ہے، یہ 'کافرِ ہندی' اسے حس اور جذبے کی سطح پر حل کر دکھاتا ہے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اقبال کے تعلق کی ماہیت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو بالآخر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی محبت اور وابستگی کا کلیاتی مزاج وہ ہی ہے جو برہمنی ذہن اور طبیعت کا مایۂ امتیاز ہے۔

۵۔ ایک قدر Anthropomorthic شدتِ یکسوئی جو حقیقت وصورت کے ادغام پر مبنی ہے۔ یہ ادغام معرفت اور عشق کو ان کے منتہیٰ پر لے جا کر ایک کرتا ہے۔

۶۔ خود کو کافر ہندی کہہ کر اقبال گویا رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم سے عرض کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ میری معرفت کا مرکز اور میری محبت کا مدار ہیں۔ میں آپ ﷺ کی جناب میں وہ جذبات واحساسات رکھتا ہوں جو شدتِ بندگی سے پیدا ہوتے ہیں۔

۷۔ انسان کا سب سے بڑا شرف اس کی سب سے پست سطح سے ظاہر ہوتا ہے۔ کافرِ ہندی کے صیغے میں اس اصول کی کارفرمائی بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ یعنی میں ایمان کے اس منتہیٰ پر ہوں جس نے کفر کو بھی اپنا ذریعۂ اظہار بنا لیا۔ اس اصول کا دوسرا مظاہرہ ہندی میں بھی ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی وجہ سے عربی ہونا اپنی نوع کا سب سے بڑا نسبی شرف ہے اور بت پرستی کی روایت کی وجہ سے ہندی ہونا سب سے بڑی ذلت۔ اقبال نے اس ذلت کو مظہر بنا لیا ہے، اس کمال کا جو عربیت کو حاصل ہے۔

۸۔ کافرِ ہندی کے حوالے سے جو باتیں ان پر ہوئی ہیں انھیں ملحوظ رکھ کر ذوق وشوق کے مطلوبہ معنی اور دوسرے مصرعے کی ایک نادر معنویت تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ذوق انتہائے معرفت ہے یعنی حق الیقین یہاں علم، تجربہ اور حال بن جاتا ہے اسی طرح شوق حقیقتِ عشق ہے۔ جو ایک جہت سے علم کے حال بن جانے کے عمل کو کسی مرحلے پر رکنے نہیں دیتا، یہی اصل متاع ہے کافرِ ہندی کی۔ علم اور عشق کی اس یکجائی کا محل دل ہے جس کے احوال کا اظہار کہیں معطل یا منقطع نہیں ہوتا جس طرح اس کے احوال ومعارف مستقلاً رُو بہ کمال ہیں اسی طرح ان کا اظہار بھی مسلسل جاری ہے۔

کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوۃ و درود لب پہ صلوۃ و درود

### ۳۔ استفسار:

'ارمغان حجاز' (فارسی) کی ورق گردانی کرتے ہوئے کئی ایسی رُباعیات مطالعے میں آئیں جو محسوس ہوتا ہے کہ آج ہی لکھی گئی ہیں۔ علامہ اقبال کی دور اندیشی پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم پر بیتنے والے

حالات کو وہ ہم سے زیادہ دیکھ رہے ہیں۔

مندرجہ ذیل مقامات پر ذہن کم علمی کی وجہ سے شاعر کی مراد تک پہنچنے سے قاصر ہے، براہِ کرم رہنمائی فرمائیں:

۱۔ مسلمانی کہ در بندِ فرنگ است
دلش در دردستِ او آسان نیاید
زسیمائی کہ سو دم بر درِ غیر
سجودِ بوذر و سلمان بناید

یہاں حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا ذکر کسی خاص مفہوم میں آیا ہے یا ان سے مراد محض دو مثالی مسلمان ہیں؟

۲۔نگاہِ تو عتاب آلود تا چند
بتانِ حاضر و موجود تا چند
درین بتخانہ اولادِ براہیم
نمک پروردۂ نمرود تاچند

اس رباعی میں کئی چیزیں دریافت طلب ہیں:

۱۔کیا یہ اللہ سے شکوہ کیا جارہا ہے؟

۲۔'بتخانہ' سے کیا مراد ہے؟ دنیا!

۳۔'اولادِ براہیم' سے مراد مسلمان، یہودی اور مسیحی تینوں ہیں، یا صرف مسلمان؟

۴۔'نمک پروردہ' صرف معاشی اعتبار سے ہے یا تمام پہلوؤں سے؟

۵۔'نمرود' سے کون مراد ہے؟

۳۔ زمحکومی مسلمان خود فروش است
گرفتارِ طلسم چشم و گوش است
زمحکومی زگاں درتن چنان سست
کہ ما را شرع و آئین بارِ دوش است

یہ رباعی سمجھ میں نہیں آ رہی۔تھوڑی سی شرح کر دیں تو بہت ممنون ہوں گا۔

افتخار حسین نقوی (کراچی)

### جواب:

آپ نے بجا فرمایا۔اقبال کی شاعری پڑھتے وقت رہ رہ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ اُن کی دور بینی نے

مستقبل کو بھی حال بنا رکھا ہے۔ علامہ حد درجہ منکسر المزاج تھے مگر اس وصف میں ایسا وفور تھا کہ انھیں بھی اظہار پر مجبور کر دیتا تھا، مثلاً:

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے

آپ نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ برصغیر کی مسلم شعری روایت میں کم از کم دو شاعر ایسے ہو گزرے ہیں جنھوں نے گویا مستقبل کو تصویر کر دکھایا ہے: غالبؔ اور اقبالؔ۔ ایک کے ہاں مستقبل کے آدمی کی صورت گری ملتی ہے اور دوسرے کے ہاں دنیا کی۔ غالبؔ بھی اپنے اس کمال سے بے خبر نہ تھا:

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں

خیر یہ تو اپنی روایت پر فخر کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا تھا، آیئے آپ کے اشکالات کی طرف چلتے ہیں۔

۱۔ ''مسلمانی کہ در بندِ فرنگ......''

اس قطعے میں بوذرؓ و مسلمانؓ کا ذکر نہایت معنی خیز ہے اور یہ معنی خیزی بھی اتفاقی نہیں ہے بلکہ صاف نظر آتا ہے کہ ان حضرات کو کردار بنا کر اقبال، مسلمانی کا وہ جوہر بتانا چاہ رہے ہیں جس کے گم ہو جانے سے آج کا مسلمان مغرب کے چنگل میں گرفتار ہے بلکہ بندۂ فرنگ بن کر رہ گیا ہے۔ وہ جوہر ہے، دنیا کی طرف سے فاتحانہ بے رغبتی جو بندے کو اپنے حقیقی مالک و معبود کی جانب یکسو رکھتی ہے۔ یہی وہ فقر ہے جو اقبال کے تصورِ اسلام میں بہت بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ اور حضرت سلمانؓ دونوں اس فقر کا مجسمہ تھے اور اُس ابراہیمی یکسوئی کے وارث جس پر اسلام کی اساس ہے۔

۲۔ 'نگاہِ تو عتاب آلود.....'

۲:۱۔ جی ہاں، اس میں ایک پہلو شکوے کا بھی ہے، مگر اصل میں یہ خود کلامی ہے جو اللہ کو سنانے کے لیے کی جا رہی ہے۔ اس میں شکوہ اور اقبالِ جرم اور التجا ایک دوسرے میں مدغم ہیں۔

۲:۲۔ 'بتانِ حاضر و موجود' کی رعایت سے 'بتخانہ' دنیا ہی کو کہا گیا ہے۔

۲:۳۔ 'اولاد' یہاں وارث کے معنی میں ہے لہٰذا 'اولادِ براہیمؑ' سے مراد صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ قرآن صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ یہ وراثت یہود و نصاریٰ کو نہیں ملی۔

۲:۴۔ 'نمک پروردہ' کا مطلب ہے: خانہ زاد غلام جو ہر اعتبار سے اپنے مالک کا دست نگر ہے۔ یہ دست نگری جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، معاشی بھی ہے، تہذیبی بھی ہے، ذہنی بھی ہے، سیاسی بھی ہے اور نفسیاتی و روحانی بھی۔ بلکہ دست نگری بھی چھوٹا لفظ ہے، اقبال کی مراد اس سے زیادہ ہے۔ 'نمک پروردہ' وہ غلام ہے جسے گویا اُس کے آقا نے تخلیق کیا ہے۔ اپنے مالک کے آگے اس کا رویہ وہی ہوتا ہے جو بندے کا خدا کے حضور میں ہونا چاہیے۔

۲: ۵۔ 'نمرود' مغرب ہے جو دنیا کا خداوند بن بیٹھا ہے۔

۳۔ 'زمحکومی مسلمان.....'

اس قطعے کی نکتہ بہ نکتہ توضیح کچھ یوں ہوگی:

۳: ۱، مسلمان مغرب کی مکمل غلامی میں مبتلا ہے، اور اس پر پوری طرح راضی بھی ہے۔

۳: ۲، دنیا کی چکاچوند نے اسے ایسا مسحور کر رکھا ہے کہ اُسے حاصل کرنے کے لیے یہ اپنے آپ کو بیچنے پر بھی آمادہ ہے۔

۳: ۳، غلامی کی لت نے اسے اتنا بے دم کر رکھا ہے کہ یہ دین کی عائد کردہ ذمہ داریاں اُٹھانے کے قابل نہیں رہا۔

۳: ۴، اسلام چونکہ دنیا پرستی کی راہ میں رکاوٹ ہے، اس لیے موجودہ نام نہاد مسلمان اس سے پیچھا چھڑا لینا چاہتا ہے۔ یہ دین کو زندگی کے تمام دائروں سے بے دخل کر دینے پر کمربستہ ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مغرب کی غلامی اور دنیا پرستی، ایک ہی چیز ہے۔ اس نے ہمیں دین کا مخاطب بننے کی اہلیت سے محروم کر دیا ہے۔ انفرادی زندگی کا دائرہ ہو یا ریاست و معاشرہ، ہم کہیں بھی یہ میلان نہیں رکھتے کہ اسلام کے ساتھ وابستگی کے ضروری تقاضے ابتدائی سطح پر ہی نبھا دیے جائیں۔ یہ جو حالات کی تبدیلی کو دین پر وارد کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں ان کا اصل محرک وہی دنیا پرستی ہے جو مغرب کی غلامی کا سبب بھی ہے اور نتیجہ بھی۔

**جوابات: احمد جاوید**